مسلکِ اہلحدیث کا داعی اور ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور
پاکستان

جلد ۳۶ ۱۲-اکتوبر ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک ۱۶ محرم ۱۴۰۵ھ شمارہ ۱۱

مندرجات

مدیر مسئول
محمد عطاء اللہ حنیف

حافظ صلاح الدین یوسف
عمیر ناصری ایم اے

محمد سلیمان انصاری

سالانہ — ۵۰ روپے
فی پرچہ — ۵۰/۱ روپیہ
ممالکِ غیر : ۲۰ پونڈ

تبصرۂ کتب علیم ناصری

احسن البیان

(منظوم ترجمہ پنجابی پنجسورہ شریف)

از: مولوی محمد عبد اللطیف افضلؔ

ضخامت: درمیانہ سائز - ۵۶ صفحات

غیر مجلد - ہدیہ دس روپے

ناشر: مولوی محمد عبد اللطیف افضلؔ کامران فین انڈسٹری گجرات

(فون ۳۷۶۵)

زیرِ نظر کتابچہ پنج سورہ (الیٰسین، الرحمٰن، الواقعہ، الملک، المزمل) کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے۔

مولوی محمد عبد اللطیف افضلؔ صاحب ایک فاضل شخصیت ہیں۔ جیسا کہ ان کے تعارف میں اس کتاب کے آخری صفحات میں تحریر کیا گیا ہے۔ وہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم اور پیر فضل گجراتی سے تلمذ رکھتے ہیں۔ اور ہند و پاک کے آخری دور میں آزادی کی تحریکوں میں مجلس احرار سے وابستہ رہے ہیں۔ اور اپنی منظومات سے اس دور کے جلسوں کو گرماتے رہے ہیں۔ ردِّ مرزائیت میں بھی انہوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ جو اس دور میں خاصی مقبول ہوئی ہیں۔ موصوف نے ہر مکتبۂ فکر کے علمائے کرام سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ اور خدمتِ اسلام میں دل و جان سے کوششیں فرمائی ہیں۔ وہ تبلیغ اسلام کا جذبۂ صادقہ رکھتے ہیں۔ اور اسی جذبہ کے تحت انہوں پنجسورہ کا پنجابی نظم میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کما حقہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ اس کا قریب ترین مفہوم البتہ ادا ہو جاتا ہے اور مترجم کی یہی کامیابی ہوتی ہے کہ وہ ترجمے میں اصل مفہوم کا ابلاغ کر دے ــــ افضلؔ صاحب نے قرآن پاک کی پانچ سورتوں کا جو منظوم ترجمہ کیا ہے وہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اور اس کو آیات کا ترجمہ نہیں ترجمانی کہنا چاہیئے۔ ان کے اشعار میں آیات کی تفہیم پوری طرح پائی جاتی ہے۔ اور قاری کو قرآن پاک کی مترجم آیات کا اصل مقصود اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس لحاظ سے افضل صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ ان کی مساعی عند اللہ ماجور ہوں گی۔

افضلؔ صاحب کے تعارف کے سلسلے میں (آخری صفحات میں درج ہے) معلوم ہوا کہ وہ اُردو فارسی میں بھی شعر کہتے رہے ہیں یا کہتے ہیں اور ان کا مجموعہ کلام عنقریب شائع ہونے والا ہے ــــ ضمناً ہم ایک ناخوشگوار سا تنقیدی فریضہ بھی انجام دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ افضلؔ صاحب اس پر نظرِ ثانی فرما سکیں۔ صفحہ ۵۲ پر حافظ عنایت اللہ امرتسری مرحوم کی "مجددیت" کے سلسلے میں انہوں نے ایک قطعہ تاریخ لکھا ہے (جس کو وہ رباعی سمجھتے ہیں) اس کے تاریخی مصرع "مولوی عنایت اللہ اثریؔ" میں "عنایت" کی عین ساقط ہو کر بحر سے خارج ہو گئی ہے۔ نیز "اثری" کی ث ساکن رہ گئی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ مولانا ظفر علی خاں جیسے قادر الکلام شاعر کے شاگرد ہونے کے ناطے سے اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ جہاں تک "اثری" مرحوم کی "مجددیت" کا تعلق ہے اسے موصوف کی حُسنِ عقیدت ہی کہا جا سکتا ہے ورنہ انہوں نے جو کارِ "تجدید" کیا ہے اُسے "تجدُّد" تو کہا جا سکتا ہے، تجدید نہیں۔ اس کی تفصیلات سے اہلِ علم بے خبر نہیں۔

مجموعی طور پر احسن البیان (پنجابی نظم کے لحاظ سے) ایک عمدہ کاوش ہے اور افضلؔ صاحب کی نیکی میں شمار ہوگی پنجابی واعظ حضرات اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

ماہ محرم اور موجودہ مسلمان — تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف (قیمت ۹ روپے)

اسلامی اکادمی، اُردو بازار لاہور، اور سبحانی اکیڈمی اُردو بازار لاہور سے مل سکتے ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور

فون دفتر الاعتصام
۵۴۴۰۰
جلد — ۳۶
شمارہ — ۱۱

اتحادِ ملّت — طریقِ کار، اہمیّت اور تقاضے

ان دنوں اخبارات میں اتحادِ ملّت کی ضرورت اور اہمیت کے سلسلے میں اخباری اداریے، مضامین، نظمیں اور مراسلے وغیرہ نہایت تسلسل سے شائع ہو رہے ہیں اور ان تمام کے دلائل تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ یعنی پاکستان کی سرحدیں مخدوش ہیں۔ روس نے افغانستان میں فوجیں جمع کر رکھی ہیں اور افغانستان کی سرکاری افواج پاک افغان سرحد پر اشتعال انگیزیاں کر رہی ہے۔ گذشتہ ماہ سے یہ سلسلہ تیز ہو گیا ہے اور افغان طیاروں نے پاکستان کے علاقوں میں گھس کر بمباری کر کے آبادیوں کو تہس نہس کیا ہے۔ بیشتر شہری ہلاک اور مکانات اور بازار مسمار ہو گئے ہیں۔ اس قسم کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں۔ جن پر حکومتِ پاکستان نے احتجاج بھی کیا ہے اور ہر مرتبہ آئندہ ایسا واقعہ ہونے کی صورت میں نتائج کی ذمّہ داری حکومتِ کابل پر عائد کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کاروائیاں روس کی شہ پر ہو رہی ہیں تاکہ پاکستان اشتعال میں آ کر جنگ پر مجبور ہو جائے اور روس کو پاکستان میں گھس کر جنگ کا موقع ملے۔ دوسری طرف بھارتی وزیرِ اعظم کے بیانات بھی پاکستان سے جنگ کرنے کے رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے کوئی پاکستانی شخص آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ اور کسی ابتلاء میں قوم سے غدّاری کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں اتحادِ ملّت کی یقیناً سخت ضرورت ہے۔ اور پوری قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہونا چاہیئے۔

اگرچہ اتحادِ ملّت سے مراد پورے عالمِ اسلامی کا اتحاد ہے اور اس کی بھی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ بین الاقوامی حالات جس نہج پر چل رہے ہیں ان میں اسلامی ممالک کی پوزیشن خاصی پس ماندہ اور غیر اہم ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کے تدارک کے لئے اسلامی کانفرنس اور رابطہ عالمِ اسلامی جیسی تنظیمیں اپنے طور پر مساعی جاری رکھے ہوئے ہے۔ مگر ہمیں اس وقت اتحادِ ملتِ پاکستان کی سخت ضرورت ہے جس سے ملکی دفاع بھی مقصود ہے اور اندرونی اختلافات کا خاتمہ بھی مطلوب ہے ..... ! افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں یہ روش چل نکلی ہے کہ جب کوئی ابتلاء آئے تو اتحاد کا نعرہ بلند کر کے وقتی طور پر سیاسی جماعتیں مل بیٹھتی ہیں اور جب وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے یا وہ ابتلاء کسی طرح ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہی نفاق و انتشار رونما ہونے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں سیاسی جماعتیں ہی نہیں مذہبی جماعتیں بھی مسلک و عقیدہ سے قطع نظر بھائی بھائی کا نعرہ لگاتی ہیں۔ اور کوئی شیعہ سُنّی اور وہابی دیوبندی باقی نہیں رہتا ــــــ ایسی ہی صورت محرم الحرام کے دنوں میں پیش آتی ہے۔ اتحاد کمیٹیاں بنتی ہیں۔ شیعہ سُنّی بھائی بھائی

کے اشتہار دیواروں پر آویزاں ہوتے ہیں۔ مشترکہ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ اور دس محرم تک "شیعہ سُنی تصادم" کی متوقع صورت کے سامنے بند باندھنے کی کوششیں جاری رہتی ہیں۔ گیارہ محرم کو اتحاد کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے۔ اور اگلے محرم تک "اتحادی قوتیں" پس پردہ چلی جاتی ہیں ——— اللہ اللہ خیر صلاّ ———!!

ہمارے ہاں یہ طریق زلیست اتنا پختہ ہو گیا ہے کہ ہنگامی طور پر اتحاد کر لیا اور پھر وہی ڈھاک کے تین پات...!! یہ رویہ ریل گاڑی یا کشتی کے مسافروں کا تو ہو سکتا ہے قوموں کا ہرگز یہ شعار نہیں ——— ہر قوم اپنا ایک منفرد کردار اور بنیادی نظریہ اتحاد رکھتی ہے جو ہنگامی حالات میں نہیں ہر روز طلوع ہونے والے سورج کی طرح جاری و ساری رہتا ہے اور ان کا کوئی لمحہ احساسِ یک جہتی سے خالی نہیں رہتا۔

پاکستان میں الحمد للہ پوری قوم (سوائے اقلیتوں کے) مسلمان ہے۔ اور اسلام کے بنیادی احکام پر ایمان بھی رکھتی ہے۔ مگر اس کے باوجود مختلف مکاتب فکر نے اپنے عقائد کی بنیاد اپنے اپنے بزرگوں کی تعلیمات پر رکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ ان بزرگوں کی تعلیمات میں بھی کتاب اللہ و سُنّتِ رسول اللہ ہی کو اولیت دی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کو کتاب و سُنّت پر جمع کیا جائے اور ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جو مسلکی اعتبار سے مختلف فرقوں کو قریب تر لانے کی مساعی بروئے کار لائے۔ اس طرح اختلاف کی خلیج کو پاٹنے اور اتحاد کی ضرورت کو پورا کرنے میں خاصی مدد ملے گی۔ نتیجۃً ہنگامی ضروریات میں اتحاد کی اپیلیں کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ اور اس اتحاد کی بنیاد بھی مضبوط اور پائیدار ہوگی۔ حکومت کو اتحادِ ملّتِ پاکستان کے دوام کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہی اتحاد کا بہترین نسخہ ہے اور ملّت کی یک جہتی کا مؤثر علاج اسی میں مضمر ہے۔

جہاں تک سیاسی جماعتوں کے اختلاف کا تعلق ہے ہمارے خیال میں ان میں بھی نظریاتی بُعد روزِ اول ہی سے ہے۔ پاکستان جیسے چھوٹے سے ملک میں سیاسی قائدین کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لئے ان میں قیادت کی مسابقت اور اقتدار کی ہوس زیادہ کارفرما ہے۔ ان کا طریق کار یہی ہے کہ حزبِ اقتدار کو ناکام بنانے کے لئے ایک نہ ایک نعرہ تراشا جاتا ہے اور یہی ان کا نقطۂ اتحاد ہوتا ہے۔ ورنہ سب کے اپنے اپنے ڈرائینگ روم ہیں جن کے اندر وہ اپنے اپنے سیاسی اصنام کی پرستش کرتے ہیں۔ امریکہ جیسے وسیع و عریض اور ترقی یافتہ جمہوری ملک میں صرف دو سیاسی پارٹیاں ہیں جب کہ پاکستان کی "اسلامی جمہوریہ" میں سیاسی پارٹیوں کی تعداد "لَا تُحْصُوْهَا" کی ذیل میں آتی ہیں۔ جب تک ان کی تعداد پر قدغن نہ لگائی جائے اس وقت تک صحیح سیاسی اتحاد کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

بنابریں حکومت سیاسی اور مذہبی قائدین اور دانشوران ملّت کو ان معروضات کی روشنی میں کوئی مؤثر لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے تاکہ ملک اور قوم میں ایک مستقل اتحاد کی بنا استوار ہو جائے اور یہ فکر باقی نہ رہے کہ کسی اتحاد کی صورت

حضرت محدّث گوندلوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے لئے دعائے صحت کی درخواست

(۱) اطلاع ملی ہے کہ اُستاذ الاساتذہ حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب محدّث گوندلوی مدظلہٗ گزشتہ کچھ دنوں سے زیادہ علیل ہیں جسمانی طور پر نقاہت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ قارئین کرام اور تمام احباب حضرت مولانا موصوف کی شفائے کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

(۲) حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہٗ جو گزشتہ دو سالوں سے صاحب فراش ہیں ۔ ۹ اگست سے بیماری کے دوبارہ شدید حملے کی وجہ سے سخت علیل ہیں اور ضعف و نقاہت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ احباب مولانا موصوف حفظہ اللہ کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے بھی خصوصی دعاء فرمائیں (ادارہ)

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

انفاق فی سبیل اللہ

مومن کی ایک صفت انفاق فی سبیل اللہ بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "ومما رزقنٰھم ینفقون" یعنی اہل ایمان خدا کی دی ہوئی روزی سے خرچ کرتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ ان کی اس صفت کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے۔ "وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (سورۂ معارج) ایک تیسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ" (سورۂ مومنون) یعنی "وہ بڑی خندہ پیشانی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں"

ایک اور جگہ مومنین کی تعریف میں اعمالِ صالحہ اور زکوٰۃ کا تذکرہ ہے۔ ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (سورۂ نمل)

یعنی اقامتِ صلوٰۃ، ایتاء الزکوٰۃ، یقینِ آخرت مومنین کا خاصا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اہل دنیا کو بدنی عبادات آسان ہیں مگر مالی عبادات زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی ان پر وبالِ جان ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے "اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ" یعنی "انسانی نفوس میں بخل پیدا ہوتی ہی رہتی ہے" کسی نے ان حالات کی خوب ترجمانی کی ہے ؎

گر جان طلبی مضائقہ نیست
زر می طلبی سخن درایں ست

البتہ صحابۂ کرام رضہ کا حال اس معاملے میں بہت حد تک نرالا ہے۔ چند واقعات سنئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا۔ آپ نے اس کو ایک درہم دیا۔ اس نے کہا کہ آنحضورؐ کی اتنی بڑی ہستی ہے اور صرف ایک درہم ملا۔ اس نے کچھ ناشکری کا انداز اختیار کیا۔ ایک اور سائل آیا۔ آپؐ نے اس کو بھی ایک درہم دیا، وہ بڑا خوش ہوا اور پُرخلوص شکریے کے انداز میں کہا۔ ھذہٖ درھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ازال اَتَبَرَّکُ وَلَا اُفَارِقُھَا اَبَدًا، یعنی "یہ ایک درہم ہمارے نبیؐ کا عطیہ ہے میں اسے ہمیشہ تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھوں گا اور کبھی اس کو کسی ضرورت میں بھی علیحدہ نہ کروں گا۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر اس کو ۲۵ درہم اور بھی عنایت کئے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضہ ایک بار اپنی لمبی بیماری کے بعد صحت یاب ہوئے تو اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے مچھلی کھانے کا شوق ایک مدت سے ہے۔ اگر بازار میں مل جائے تو منگالو۔ اہلیہ نے کہا آپ نے اپنے شوق کا اظہار اتنی دیر سے کیوں کیا؟ فرمایا کہ تم میری بیماری میں کافی دردمند اور پریشان تھیں۔ تم پر مزید باورچی خانہ کا بار کیوں ڈالتا۔ لیکن اب فرصت ہے مچھلی پکالو۔ اہلیہ نے غلام کو بازار میں بھیجا مچھلی نہ مل سکی۔ کئی روز تک مسلسل تلاش رہی۔ ایک دن مدینہ کے بازار میں بہت اچھی تازہ مچھلی مل گئی۔ اہلیہ نے خوب عمدہ مرغن پکایا۔ اس کے ساتھ پراٹھا وغیرہ بھی بنایا۔ اور خوان میں سجا کر سب کھانا باہر برآمدہ میں بھیج دیا۔ جیسے ہی خوان آپ کے سامنے رکھا گیا۔ ایک سائل نے صدا لگا دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے وہ پورا خوان اٹھا کر سائل کے پاس بھجوانے کا عزم کر لیا تو اہلیہ محترمہ جو پس پردہ کھڑی تھیں، کہنے لگیں کہ مچھلی تو آپ کو بے حد پسند و مرغوب خاطر ہے۔ آپ اسے کھائیے۔ ہم سائل کو اس پورے خوان کے عوض پوری قیمت دے دیں گے۔ فرمایا۔ ہاں جو اس کی لاگت وقیمت ہو وہ لے آؤ۔ اب جب رقم آگئی تو پورے خوان کو مع رقم کے غلام کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔ "ادفعہ جمیعا الی السائل" یعنی قیمت اور یہ کھانا سبھی کچھ

سائل کو دے آؤ۔

بیوی نے کہا کہ کم از کم آپ مچھلی کھائے ہوتے جس کے کھانے کے آپ بے حد مشتاق تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ قرآن پاک میں ایک حکم ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی "نیکی ملنے کا مدار اپنی محبوب ترین چیز کے خرچ کرنے پر ہے" آج عبداللہ بن عمرؓ کو سب سے زیادہ محبوب مچھلی تھی اسی لئے میں نے محبوب مال راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ (صفوۃ الصفوہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سائل اللہ کے نام کا واسطہ دے کر کوئی حقیر چیز مانگے اس پر خدا کی دس بار لعنت نازل ہوتی ہے کہ اللہ کی جلیل و عظیم ہستی کو چھوٹی چھوٹی چیزوں پیسہ دو پیسہ کے لئے صرف کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس شخص پر دس بار خداوندِ کریم کی لعنت نازل ہوتی ہے جس نے خدا کا واسطہ کسی سائل سے سُنا پھر بھی سائل کو کچھ نہیں دیا۔ (تاریخ صغیر للامام البخاری)

محروم اس شخص کو کہتے ہیں جو مال و متاع سے تہی دست ہے لیکن دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔

آج کے مادہ پرستانہ دَور میں ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بلا طلب و بلا سوال مستحقین تک خاموشی سے اپنے مال پہنچاتے ہیں۔

کاش یہ پاک جذبہ آج مسلمانوں میں بیدار ہو جاتا، تو معاشرے کی کتنی اچھی اصلاح ہو سکتی۔ حضرت عائشہؓ و عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ خاموشی سے اپنے اموال کو غیروں کے توسط سے ایسے محرومین و مستحقین کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ اور یہ تاکیدی حکم دے دیتے تھے کہ ہمارا نام ان حضرات کو نہ بتایا جائے۔ صرف ان کی مدد و معاونت کے لئے ہمارے پیسے دے آؤ۔ اور دیکھو وہ لوگ ہمیں دعائیں کیا کیا دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان کی دعاؤں کو اپنے قاصد سے معلوم کر کے پھر انہیں الفاظ میں ان کو بھی دعائیں دیتے تھے کہ دعاء کے بدلے دعاء ہو جائے اور صدقے کا اجر محفوظ رہے۔

حضرت علی بن حسین مشہور سخی و سائل نواز گذرے ہیں، آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ نادار و مساکین کی خدمت و مساعدت کے لئے آپ خاموشی اور سناٹے کے عالم میں گلیوں میں نکل جاتے اور روٹیوں کے بورے اور نقد اپنی گردن پر لاد کر رات کی تاریکی میں ہر پریشان حال شخص کے گھر پہنچتے اور خاموشی سے روٹیوں کا پڑیا نکال کر ہر ایسے گھر میں ڈال آتے اور نقد بھی پھینک دیتے۔ (منتخب کنز العمال)

اس واقعہ سے بندگان خدا کا حال معلوم ہوا کہ وہ تہی دست و گمنام و بے سوالی لوگوں کے ساتھ کتنا بہتر سلوک کرتے تھے۔

آج کے دَور میں مسلمانوں کا یہ کارنامہ مفقود ہے۔ الا ماشاء اللہ

تاریخ خطیب میں خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ امام داؤد طائیؒ سخت بیماری کے بعد شفایاب ہوئے تو ان کی والدہ نے کہا کہ بیٹے آج تمہارے لئے عمدہ کھانا قورمہ پراٹھا وغیرہ پکاؤں گی۔ تم شوق سے کھاؤ گے؟ امام داؤد نے کہا کہ اماں جان پکایئے! کھانا سامنے رکھا گیا کہ ایک سائل نے سوال کر دیا۔ حضرت امام نے کہا کہ یہ کھانا سائل کو دے آؤ۔ ماں پسِ پردہ کھڑی تھیں، کہنے لگیں کہ بیٹا تم نے کچھ نہیں کھایا۔ فرمایا فَمَنْ اَکَلَهٗ غَیْرِیْ، یعنی "میرے سوا کس نے اس کو کھایا"

مطلب یہ تھا کہ کھاتا تو بھی مجھ کو نفع ہوتا اور سائل کو دے دیا تو بھی مجھ ہی کو اس کا نفع و اجر ملے گا۔ دوسرے دن پھر ان کی والدہ نے بہت عمدہ فالودہ بنایا اور کہا کہ بیٹا تم اسے کھاؤ، ہم نے اسے بہت لذیذ و مرغوب طبع بنا دیا ہے۔ اتنے میں آپ کو کچھ یتیم بچے یاد آ گئے تو آپ نے اپنے ملازم کے ذریعے یتیموں تک پہنچا دیا۔ جو غایت شرم سے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے تو اماں جان نے کہا کہ بیٹا! تم نے آج بھی کھانا نہیں کھایا۔ حضرت داؤد طائیؒ

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

درسِ حدیث — (قسط ۷) — تنقیح و تہذیب، حافظ صلاح الدین یوسف

تمیمة الصبیّ فی ترجمة الاربعین من احادیث النبیؐ

(تالیف: حضرت والاجاہ نواب سید محمد صدیق حسن خانؒ - متوفی - ۱۳۰۷ھ)

۳۴- سلام، کلام سے پہلے ہے

حدیث سی وچہارم - اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ رواہ الترمذی۔

"سلام کلام سے پہلے ہے"

فائدہ:- یعنی ملاقات کے وقت پہلے سلام کرے پھر کلام۔ سلام سے پہلے کلام کرنا ٹھیک نہیں۔ ابتدائے اسلام میں سلام۔ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے کے لئے مقرر تھا۔ گویا سلام ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ چاہے اُس سے (سابقہ) ملاقات ہو یا نہ ہو۔ اور مرد کو چاہیئے کہ بیوی کو سلام کرے اسی طرح گھوڑا سوار (یعنی سواری والا) پیادہ کو۔ بڑا چھوٹے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور بہت سے افراد تھوڑے لوگوں کو سلام کریں۔ اور یہود (اور دیگر غیر مسلموں) کو خود سلام نہ کرے۔ البتہ ان میں سے کوئی سلام کہے تو ان کو جواب میں صرف وعلیکم کہہ دے یعنی "تم پر وہ چیز جس کے تم مستحق ہو"۔ اور کافر کے جواب میں ھَدَاکَ اللّٰہُ کہے۔

امام نخعی کہتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت ذمّی (اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم) کو ابتداءً سلام کہا جا سکتا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اس سے منع فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں سلام و مصافحہ کچھ نہ کرے، جب ان کے پاس جائے تو اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اُس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے) کہے۔ اور جو شخص شطرنج یا نرد کھیلنے میں مصروف ہو یا قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہو یا بلا عذر برہنہ ہو حمام یا کسی اور مقام میں تو ان کو سلام نہ کرے۔ امام ابو یوسف اسی بات کے قائل ہیں۔ اور خطبے اور تلاوتِ قرآن میں جب کہ باآواز بلند ہو یا حدیث کی روایت یا علم کا درس و ذکر ہو یا اذان و اقامت ہو تو بھی سلام نہ کرے کہ ان صورتوں میں ترکِ سلام ادب ہے۔ اور سلام زبان سے کہے، ہاتھ سر پہ نہ رکھے اور نہ کمر جھکائے کہ یہ خلافِ سنت بلکہ حرام ہے۔

۳۵- جو خاموش رہا، نجات پاگیا

حدیث سی و پنجم مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان "جو چپ رہا، اس نے نجات پائی"

فائدہ:- یعنی دنیا اور آخرت کی بہت سی بلاؤں سے وہ محفوظ رہے گا، کیونکہ اکثر بلائیں زبان کے سبب آتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بلا بولنے پر مقرر ہے ؎

ہر چہ بر آدمی رسد ز زبان
ہمہ از آفتِ زباں باشد

؎ بے زباں باش نہ بینی کہ قلم
تا زبان یافت سرش در خطر است

ولنعم ما قیل

بہ خاطر ہیچ مضموں زلب بستن نمی آید
خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید

حکایت

ایک شہزادے نے اس حدیث کو سن کر بولنا چھوڑ دیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے علاج کے لئے طبیب بلائے لیکن طبیبوں کو بظاہر کوئی مرض نظر

نہ آیا۔ اور اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا۔ بادشاہ کو بہت رنج اور فکر ہوا کہ ایک بیٹا تھا وہ بھی چپ ہو گیا۔ ایک روز اس نے اپنے ندیموں سے کہا کہ اس کو شکار کے واسطے لے جاؤ شاید وہاں تفریح پا کر کچھ بولے۔ ندیم شہزادے کو لے گئے۔ شہزادے نے جب تیتر کو دیکھا تو ہنس دیا اور کہا کہ اس بے چارے کا دشمن اس کا بولنا ہوا۔ نہ بولتا نہ پکڑا جاتا۔ اس وقت ندیموں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ جناب عالی! شہزادے کو بیماری کوئی نہیں ہے۔ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔ سچ ہے ؎

ہر چہ آمد بہ زبانت گفتی
آنچہ آمد بہ دہانت خوردی
دیگرے راچہ گناہ است کہ تو
خویش را خویش بدوزخ بردی

۳۶ - مہدی میری اولاد سے ہو گا

حدیث سی و ششم۔ اَلْمَهْدِيُّ مِنِّيْ۔ [۱]

"مہدی میری اولاد میں سے ہے"

فائدہ:- اکثر روایات میں ہے کہ اولادِ حضرت حسنؓ سے امام مہدی ہوں گے اور بعض روایات میں حضرت حسینؓ کی اولاد سے بتلایا گیا ہے۔ اور بعض غریب احادیث میں اولادِ حضرت عباسؓ سے کہا گیا ہے۔ ابن حجر مکیؒ نے ان روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ ایک شخص میں ولادات متعددہ کا جمع ہونا بایں طور ممکن ہے کہ مثلاً والد کی طرف سے حسنی ہوں، والدہ کی طرف سے حسینی اور بعض اُمہات ان کی عباسی ہوں۔

ان کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہو گا۔ اور خود ان کا اپنا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہو گی۔ اخلاق میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ ہوں گے۔ زبان میں ذرا لکنت ہو گی۔ یہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے

---

[۱] سنن ابوداؤد، ج ۴۔ کتاب المہدی، ص ۱۰۷، ۴ طبع مصر (ص، ی)

بھر دیں گے جس طرح ان کی آمد سے قبل وہ ظلم و جور سے بھر ہو گی ؎

جہاں چناں شود از عدلِ او کہ ناخن باز
علاج ناخنہ دیدۂ حمام کند

(اس کے عدل سے دنیا کا یہ عالم ہو گا کہ کبوتر کی آنکھ میں ناخن مارنے والا خود اس کا علاج کرے گا۔ یعنی ظالم خو مظلوم کی دادرسی پر مجبور ہو گا)

حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کے درمیان اختلاف ہو پس ایک آدمی مدینہ سے نکل کر مکہ بھاگتا ہوا پہنچے گا مکے وا اسے اپنا امام (خلیفہ) بنانا چاہیں گے۔ جب کہ وہ خود اما بننا پسند نہیں کریں گے۔ بہر حال انہیں امام بنا لیا جائے گا لوگ ان سے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان بیعت کر گے اور اطرافِ شام سے ایک لشکر ان کی طرف روانہ ہو گا۔ لشکر مکے اور مدینے کے درمیان بیداء نامی جگہ پر دھ جائے گا۔ جب یہ صورتِ حال لوگوں کے علم میں آئے گی تو ش کے ابدال اور عراق کے گروہ امام مہدی کے پاس آئیں گے اور ا سے بیعت کریں گے۔

شرحِ برزخ میں لکھا ہے کہ" دنیا کی مدّت حضرت آ ابوالبشر کے وقت سے قیامت تک سات ہزار برس ہ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے یہ مدّت ایک ہزار چار سو بالیقین اور پانچ سو باحتمال ہے۔ اس لئ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہو اور ما بعد نصف کا حکم آخر کا ہے۔ اس وجہ سے یہ مدّت ز ہو گئی یعنی ایک ہزار اور پانچ سو کے قریب [۱] انتہی۔ اور را

---

[۱] جن روایات میں بقائے دنیا کی کل مدّت کا ذکر ہے وہ سب بے اور اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ نواب صاحبؒ نے بھی اپنی ایک اور کتاب "الاذاعۃ لما کان وما یکو بین یدی الساعۃ" کے آخر میں ان روایات کے بے اصل ہونے کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو ص ۸۶ تا ۹۳ طبع بھوپال (ص، ی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہ سو ستر (۱۲۷۰) سال گزر گئے [1] اس سے معلوم ہوا کہ ظہورِ مہدی اور علاماتِ قیامت کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ اور علماء نے ظہورِ مہدی کی تاریخ ظن اور تخمین سے لکھی ہے لیکن اس کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ کسی نے ظہورِ مہدی کی تاریخ ہجرت کے نو سو سال بعد، کسی نے بارہ سو برس کے بعد اور کسی نے بارہ سو چار سال کے بعد لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ سو اڑسٹھ سال کے بعد فرمایا تھا۔ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے سیف مسلول میں لکھا ہے کہ ظہورِ مہدی کی تاریخ علمائے ظاہر و باطن نے بظن و تخمین اوائل تیرہ صدی ہجری لکھی ہے لیکن ظہورِ مہدی کی تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب قیاسات تھے جو گزر گئے۔ کیونکہ امام مہدی ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے لیکن جب سارے اقوال جمع کئے جائیں تو یہ بات بالضرور ثابت ہوتی ہے کہ امام مہدی کا خروج ہجرت کے بارہ سو برس کے بعد ہوگا اور تیرہ صدی سے زیادہ نہ گزرے گا کہ آپ کا ظہور ہوگا۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ تیرھویں صدی (تالیفِ کتاب کے وقت) ختم ہو گئی ہے اور اب ۱۳۰۲ھ ہے۔ یعنی تیرہ صدیاں پوری ہو کے چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ہوگا، اس لئے کہ بعض روایت میں آیا ہے کہ شروع مائۃ پر آپ کا ظہور ہوگا، اگرچہ "تا نصفِ اول صد سال داخلِ اول صد ہے (یعنی نصف صدی اول — پہلے پچاس سال — صدی کے اوائل ہی کہلائیں گے) کیونکہ آپ مجددِ دین ہیں اور ہر مجدد ہر زمانے میں صدی کے شروع میں ظاہر ہوا ہے [2]۔

مشہور روایات کے مطابق ظہور کے وقت امام مہدی کی عمر چالیس برس کی ہوگی اور ابو نصر کی روایت میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ امام مہدی کا خروج سال ہائے طاق میں ہوگا۔ اس صورت میں کچھ تعارض بھی نہیں رہا۔ اور جو فتنے کہ مقدماتِ ظہور ہیں، وہ عالم میں جاری و ساری ہیں اور قربِ ظہور کے اوپر دلالت کرتے ہیں اور قیامت کی جو علاماتِ صغریٰ احادیث و آثار میں وارد ہیں وہ بالکل دنیا میں واقع ہو گئی ہیں۔ فقط ظہورِ علاماتِ کبریٰ باقی ہے اور علاماتِ کبریٰ کے ظہور کا مقدمہ (پیش رو) امام مہدی کا خروج ہے۔

فائدہ: محمد بن اسماعیل بخاری کے شیخ نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ طاؤس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے موت نہ آئے یہاں تک کہ امام مہدی کا زمانہ پالوں کہ یہ زمانہ ایسا ہوگا کہ نیک آدمی کے ساتھ احسان کیا جائے گا، خطاکار کی توبہ قبول کی جائے گی اور گنہگار کو نعمت دی جائے گی۔ انتہیٰ

اور میں (نواب صدیق حسن خاں) یہ کہتا ہوں کہ جب طاؤس نے امام مہدی کے زمانے سے اس قدر بُعدِ مدت کے باوجود یہ امید کی ہے تو میں اس امید کا زیادہ مستحق ہوں اس لئے کہ میرا زمانہ امام مہدی کے زمانے سے بہ نسبت زمانۂ طاؤس کے بالیقین نزدیک تر ہے اور قربِ خروج کے اوپر آثار و اخبار بھی دلالت کرتے ہیں۔ سو میں کس لئے یہ تمنا نہ کروں اور دلِ آرزومند کو خوش نہ کروں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں حضرت مہدی کا عہدِ سعادت مہد پاؤں اور اس سعادتِ ابد مدت کے سرفراز ہوں ؎

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

نیز حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ بن مریم کو پائے تو اس کو چاہیئے کہ میرا سلام ان کو پہنچائے، سو مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے ایام پاؤں تو سب سے پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

---

[1] مصنفِ کتاب حضرت نواب صاحب کے وقت۔ کیونکہ اب یہ مدت ۱۴۰۰ سال سے متجاوز ہو گئی ہے (ص۔ ی)

[2] لیکن اب چودھویں صدی بھی ختم ہو گئی ہے اور پندرھویں صدی کے بھی چار سال گزر چکے ہیں اس لیے یہ سب قیاسات ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کی طرح ظہورِ مہدی کا بھی صحیح علم اللہ ہی کو ہے (ص۔ ی)

بحث و نظر

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ العالی

(قسط ۲)

چند سوال اور اُن کے جواب

امام زہری • مسئلہ فدک • حدیث قرطاس • احادیث صحیحین

اہم بحث متعلقہ احادیثِ صحیحین

۱۰۔ صحیحین میں مروی احادیث کے متعلق اہل حدیث اور ائمہ سنت کا موقف یہ ہے کہ ان میں کی ہر حدیث من حیث المجموع قطعی اور یقینی طور پر صحیح ہے جیسا کہ امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنی المتوفی ۴۰۸ھ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اهل العلم مجمعون علی ان الاخبار التی اشتمل علیها الصحیحان مقطوع بصحة اصولها ومتونها ولا یحصل الخلاف فیها بحال وان حصل فذالک فی طرقها ورواتها انتهی [1] یعنی "فنِ حدیث کے ماہرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحیحین کے سب ہی اصول و متون قطعاً صحیح ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو روایات کی سندوں اور راویوں کے اعتبار سے" امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ھ کا بھی یہی کہنا ہے۔ اجمع علماء المسلمین علی صحتهما [2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ واهل الحدیث یعلمون صدق متون الصحیحین من شرکهم فیها علم ما علموه ومن لم یشرکهم لم یعلم ذلک [3]

اس رائے کو ہمارے دور کے سرخیل علمائے حنفیہ مولانا سید انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے بھی تسلیم کیا ہے [1] اس اجماعی اور متفقہ فیصلے کے معقول ہونے کے متعدد وجوہ ہیں مثلاً

- احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ان دونوں اماموں کے زمانے میں حفظاً و کتابةً مشہور و متداول تھا جس سے انہوں نے دونوں کتابیں مدون فرمائیں [2]
- بنابریں ان کے سامنے اصول و متون بکثرت سندوں کے ساتھ موجود تھے اور ان اسناد کے راویوں کے حالات بھی خاصی تفصیل سے ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے انہوں نے خوب چھان پھٹک کر ہر متن کو دیکھا، باریک سے باریک علت کی ٹوہ لگائی اسباب جرح کو معلوم کیا۔ اس تدقیق و محنت کے بعد ان کو صحت کا یقین ہوا تب درج فرمایا۔ مولانا سید انور شاہ مرحوم دیوبندی ایک تحقیقی تحریر میں فرماتے ہیں:

الذین دوّنوا الحدیث لم یکتفوا بطریق واحد حتی مارسوه بطرق متعددة وتتبعوه عن مشائخ متفرقة من کذبه حتی تبین لهم صدقه من کذبه کفلق الصبح نحو کلاء کانوا یعرفون محاله ومظانه فاذا اجمعوا الطرق والاسانید انکشفت لهم العلل واسباب الجرح کلها فلم یدونوه الا بعد ما حققوه وما رسوه اھ [3]

- اپنے زمانے کے ماہرینِ فن حدیث کے ساتھ ان کے متعلق

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث از سخاوی ص ۱۹ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ص ۲۴ ج ۱ [2] مرقاۃ، ص ۲۴، ج ۱
[3] منہاج، ص ۱۱۳، ج ۴ ایضاً فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۰۹، ج ۱

[1] مقدمہ فیض الباری، ص ۵۴ رفیض الباری ص ۵۰۶ ج ۴
[2] مقدمۃ الفتح وغیرہ [3] فیض الباری ص ۳۳۱ ج ۳۔

تبادلۂ خیال کیا جن میں ان کے مشاہیر اساتذہ بھی تھے۔ قال ابو جعفر العقیلی لما صنف البخاری کتاب الصحیح عرضہ علی ابن المدینی واحمد بن حنبل و یحییٰ بن معین وغیرھم فاستحسنوہ و شھدوا لہ بالصحۃ الا اربعۃ احادیث قال العقیلی والقول فیہا قول البخاری وھی صحیحۃ[1] امام مسلم کا اپنا بیان ہے۔ انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ[2] ایک دفعہ یہ بھی کہا عرضت کتابی ھذا علی ابی ذرعۃ الرازی فکل ما اشار ان لہ علۃ ترکتہ[3] وکل ما قال انہ صحیح خرجتہ[4]

ان بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ خوب خوب گہرے مذاکرات کے بعد ان کتابوں کو آخری شکل دی گئی ہے۔!

دونوں اماموں کی فنِ حدیث سے والہانہ شیفتگی، اس میں شب و روز کا انہماک، معرفت علل حدیث میں درجہ امامت وسعت حفظ، مجتہدانہ بصیرت، دیانت، امامت، تقویٰ وغیرہ اوصاف جمیلہ واخلاق عالیہ پر ان کے نہ صرف معاصرین ہی کا بلکہ بعد کے محققین ائمہ حدیث کا بھی اتفاق ہے۔ چنانچہ قطعیتِ احادیث کے بحث کے دوران میں اسی امر کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ منہا جلالتہما فی ھذا الشان وتقدمہما فی تمییز الصحیح علی غیرھا۔[5] نیز مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں بھی ایسے اقوال کافی ذکر کئے گئے ہیں۔

● جن اصول و قواعد کی روشنی میں احادیث اور ان کے راویوں کو جانچا پرکھا گیا ہے۔ وہ سب قرآن حکیم ہی سے مستنبط ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی کے الرسالہ اور امام مسلم کے مقدمۃ الصحیح وغیرہما سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قواعد بڑے مضبوط ہیں۔ اور ان کی راہنمائی اعتماد و استناد کی ضمانت ہے۔

ان دونوں مبارک کتابوں کی تدوین کے بعد سینکڑوں محدثین کی نظریں ان ہی کی خدمت پر مرکوز ہو گئیں۔ ان کے معیارِ صحت اصولِ تحقیق ایک ایک سند، ہر سند کے راویوں کی ہر طرح کی تفتیش، راویوں کے طریقِ ادائے روایت پھر ایک ایک متن، ہر متن کے سب الفاظ کی ٹھیک ٹھاک تعیین، روایت بالمعنی پر کڑی نگرانی وغیرہ قسم کے اُمور پر اجتماعاً و انفراداً بحثیں کیں، جانچا پرکھا اور علی وجہ البصیرت تصحیح احادیث میں ان دونوں جلیل القدر مصنفوں کی سب نے تصدیق کر دی۔ یہ عمل تقریباً دو صدیاں جاری رہا۔ مزید برآں یہ دَور خالص حدیثی تحقیق کا دَور ہے۔ جب سینکڑوں متون۔ ہزاروں اسانید کے ساتھ ائمہ فن کو حفظ ہوتے تھے۔ اور رواۃ حدیث کی واقفیت قربِ زمانہ کی وجہ سے بہت وسیع تھی۔ صرف کتابوں ہی پر اعتماد نہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔ قولنا رواہ البخاری ومسلم علامۃ لنا علی صحتہ لا انہ کان صحیحا بمجرد روایۃ البخاری ومسلم بل احادیث البخاری ومسلم رواھما غیرھما من العلماء والمحدثین من لا یحصی عددہ الا اللہ ولم ینفرد واحد منہما بحدیث بل ما من حدیث الا وقد رواہ قبل زمانہ وبعد زمانہ طوائف ولو لم یخلق البخاری ومسلم لم ینقص من الدین شیٔ وکانت تلک الاحادیث موجودۃ باسانید یحصل بہا المقصود وفوق المقصود والتصحیح لم یقلد ائمۃ الحدیث فیہ البخاری ومسلما بل جمہور ما صححاہ کان قبلہما عند ائمۃ الحدیث صحیحا متلقی بالقبول وکذلک فی عصرھما وکذلک بعدھما قد نظر ائمۃ ھذا الفن فی کتابیہما ووافقوھما علی صحۃ ما صححاہ الا مواضع یسیرۃ۔ الی قولہ — والمقصود ان احادیثہما نقدھا الائمۃ الجہابذۃ

---

[1] مقدمۃ الفتح ص ۲۰۳ ج ۲ [2] صحیح مسلم ص ۴۷، اج اطبع دہلی [3] مقدمۃ الفتح ص ۲۰۸ ج ۲ [4] مقدمہ شرح مسلم نووی ص ۱۳ [5] نزہۃ النظر ص ۸، طبع مجتبائی۔

قبلہم وبعدہم ورواہا خلائق لا یحصی عددہم الا اللہ فلم ینفرد الا بروایۃ ولا بتصحیح انتہی بتلخیص [1] حاصل یہ کہ صحیحین کی حدیثیں دوسری سے چوتھی صدی ہجری تک کے ائمہ حدیث وسنت کی مصدقہ و مصححہ ہیں۔!

۱۱۔ یہ بات غلط ہے کہ محدثین نے صحیحین کی اتنی اور اتنے حدیثوں کو ضعیف کہا ہے شاید علم حدیث اور اس کے فن کی باریکیوں سے ناواقف لوگوں کو حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن حجرؒ کے بعض بیانوں سے دھوکہ ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اول الذکر نے اپنی مشہور و متداول کتاب علوم الحدیث میں یہ فیصلہ دینے کے بعد کہ اہل العلم بالحدیث کے اجماع و اتفاق کی بناء پر صحیحین کی حدیثیں قطعاً صحیح ہیں، اس سے چند ان روایات کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن پر بعض ماہرین حدیث (چوتھی صدی ہجری کے مسلّم امام حافظ دارقطنی وغیرہ) نے فنی حیثیت سے تنقیدی نظر ڈالی ہے جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ان روایات کی صحت کا وہ اعلیٰ درجہ نہیں جو صحیحین کی غیر منتقد احادیث کا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے جس اعلیٰ معیار صحت کا اندازہ کیا گیا ہے اس پر وہ پوری نہیں اترتیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ حدیثیں ضعیف، مشکوک اور مسترد کر دینے کے قابل ہیں۔

اس سلسلے میں ان کی اپنی اور اہل فن کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

علوم الحدیث میں صحیحین کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔ اولہا صحیح اخرجہ البخاری ومسلم جمیعاً الثانی صحیح انفرد بہ البخاری ای عن مسلم .... واعلاہا الاول وهو الذی یقول فیہ اہل الحدیث کثیراً "صحیح متفق علیہ" یطلقون ذلک ویعنون بہ اتفاق البخاری ومسلم لا اتفاق الامۃ علیہ لکن اتفاق الامۃ علیہ لازم من ذلک وحاصل معہ لاتفاق الامۃ علی

[1] منہاج السنۃ ص ۵۸-۵۹- ج ۴

تلقی ما اتفقا علیہ بالقبول وہذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ۔ والعلم الیقینی النظری واقع بہ ...... والامۃ فی اجماعہا معصومۃ من الخطأ ولہذا کان الاجماع المبتنی علی الاجتہاد حجۃ مقطوعاً بہا واکثر اجماعات العلماء کذلک وہذہ نکتۃ نفیسۃ نافعۃ ومن فوائدہا القول بان ما انفرد بہ البخاری او مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع بصحتہ لتلقی الامۃ کل واحد من کتابیہما بالقبول۔ ...... احرف یسیرۃ تکلم علیہا بعض اہل النقد من الحفاظ کالدارقطنی وغیرہ [1]

علامہ ابوالحسن بن محمد صادق حنفی سندھی بہجۃ النظر میں لکھتے ہیں: واما الاحادیث التی انتقدہا بعضہم فلا تفید العلم ولا الحکم علیہا بالصحۃ الواقعیۃ لانعدام التلقی بالنسبۃ الیہا وقد حکم المحققون علیہ بالصحۃ الاصطلاحیۃ [2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: جمیع ما فیہ صحیح باعتبار انہ حکم مقبول لیس ما یرد مطلقاً الا النادر (مقدمۃ الفتح ص ۱۳ ج اول) حافظ ابن حجر کے معاصر علامہ محمد بن ابراہیمؒ لکھتے ہیں۔ اعلم ان المختلف فیہ من حدیثہم ہو الیسیر ولیس ذلک الیسیر مما ہو مردود بطریق قطعیۃ ولا اجماعیۃ ولیس الاختلاف یدل علی الضعف ولا یستلزمہ [3] ملا محمد معین سندھی اس موضوع پر بڑی مدلل بحث کے اثناء میں لکھتے ہیں۔ الصحۃ المقطوعۃ اخص من الصحۃ ف

[1] مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۴-۱۵، طبع بمبئی۔ اسی سے ملتی عبارت بلحاظ بعض الفاظ و اضح مقدمہ شرح مسلم نووی، ص ۱۴ ج ۱ میں ہے۔

[2] بہجۃ النظر شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۲۱ طبع لاہور۔

[3] الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم، ص ۷۹ ج ۱

اعلی درجتها عند حذاق الفن وانتفاء الخاص لا یوجب انتفاء العام الی اخر ما قال۔[1]

عصرِ حاضر کے محقق مصری صاحب علم علامہ احمد بن محمد بن شاکر لکھتے ہیں۔ ان احادیث الصحیحین صحیحۃ کلها لیس فی واحد منها مطعن او ضعف وانما انتقد الدارقطنی وغیرہ من الحفاظ بعض الاحادیث علی معنی ان ما انتقدوہ لم یبلغ فی الصحۃ الدرجۃ العلیا التی التزمها کل واحد منهما فی کتابہ واما الحدیث فی نفسہ فلم یخالف احد فیها فلا یھولنک ارجاف المرجفین وزعم الزاعمین ان فی الصحیحین احادیث غیر صحیحۃ انتھی۔[2] یعنی صحیحین کی سب حدیثیں صحیح ہیں کوئی ضعیف نہیں۔ حافظ دارقطنی وغیرہ کا انتقاد اعلےٰ درجے کے معیار صحت کے نقطۂ نظر سے ہے۔ نفسِ صحت میں ان کا اختلاف نہیں لہٰذا ایسی غلط بات پھیلانے والوں کے بہرے میں نہ آنا چاہیئے جو یہ کہتے پھرتے ہیں، کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں۔"

عجیب ستم ظریفی ہے کہ صحیحین کی اہمیت گھٹانے کے لئے تو حافظ دارقطنی وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ان ہی حفاظ حدیث نے اپنی منتقدہ احادیث کے علاوہ حدیثوں کو یقینی صحیح تسلیم کیا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کی یہ بات بھی تسلیم کر کے بحث ختم کی جائے۔ آخر یہ حق کسی کو کیسے مل سکتا ہے کہ تین چار صدیوں کے محدثین کی تنقیح و تحقیق کے بعد متفقہ احادیث کو عقائد کے اختلاف، مسلکی جنبہ داری، "ذوق و درایت" اور "مزاج شناسیٔ رسول" کی قینچی لے کر اپنے حسب منشا کترتے چلے جائیں اور کوئی ہاتھ پکڑے تو امام دارقطنی وغیرہ کو پیش کر دیں۔ تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ۔

۱۲۔ علامہ ابن الصلاح کے اس اشارے کی مناسب مقام پر تفصیل بھی غرض ہے جس کا اوپر ذکر آیا ہے کہ صحیحین کے احرف یسیرہ (چند الفاظ) قطعیت صحت سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حافظ دارقطنی وغیرہ کی تنقید کی وجہ سے ان کی صحت اعلیٰ درجے کی نہیں رہی"۔ واضح رہے کہ صحیح بخاری کی وہ احادیث جو کتاب کا اصل موضوع ہیں[1] ان کی تعداد۔ حسب تصریح حافظ ابن حجر[2] تقریباً آٹھ ہزار اور کم و بیش اتنی ہی — بقول بعض[3] حفاظ حدیث۔ صحیح مسلم کی حدیثوں کی ہے۔ ان میں سے امام دارقطنی کا انتقاد دبیں مشترکہ احادیث اور اول الذکر کی قریباً اسی اور صحیح مسلم کی تقریباً سو حدیثوں پر وارد ہوا[4] ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام روایات کے صحیح ہونے میں وہ بھی شیخین سے متفق ہیں[4]

ہاں! امام ابن تیمیہؒ نے بعض متون کے درمیانی ٹکڑوں پر بعض حفاظ کے حکم وہم کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "وہ کل بیس جگہ ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنے انداز خاص سے محفوظ و غیر محفوظ کو چھانٹ دیا ہے اور امام مسلم نے ایسا نہیں کیا۔" اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے کہ ہزارہا کے ذخیرے میں سے دس بیس جگہ کسی راوی سے بعض الفاظ میں اگر وہم صادر ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نہ ہی اس سے بدکنا چاہیئے۔ اور نہ ہی اس سے صحیحین کی استنادی پوزیشن پر اثر پڑتا ہے چنانچہ امام موصوف ان چند مواضع اوہام اور ان کی صحیح حیثیت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ وفی الجملۃ من نقد سبعۃ آلاف درھم فلم یروج فیها الا دراھم یسیرۃ ومع ھذا فھی مغیرۃ لیست مغشوشۃ محضۃ فھذا امام فی صنعتہ والکتاب سبعۃ آلاف حدیث وکسرا[5] (باقی ص ۲۰ پر)

۱؎ صحیح بخاری کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ (مقدمۃ الفتح ص ۵ ج ۱۔

۲؎ مقدمۃ الفتح ص ۱۸۷ ج ۲ و توجیہ النظر ص ۹۴ ۳؎ تدریب الراوی ص ۴۰۔

۴؎ مقدمۃ الفتح ص ۱۸ ج ۲ و تدریب ۴۳

۵؎ منہاج ص ۵۹ ج ۴۔

۱؎ دراسات اللبیب ص ۳۰۳ طبع کراچی ۲؎ حاشیہ الباعث الحثیث ص ۳۷ طبع ثانی مصر۔

ڈاکٹر محمد سلیمان

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت کے بانی

تحریک کے ابتدائی دو سالوں (۱۸۹۱ء - ۱۸۹۲ء) کی روشنی میں

مرزا غلام احمد ۱۸۳۷ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں ان کے عقائد وہی تھے جیسے دیگر مسلمانوں کے۔ برصغیر ان کی کتاب "براہینِ احمدیہ" کے ذریعے ان سے متعارف ہوا جو ۱۸۸۰ء میں انہوں نے عیسائیت کے ردّ میں تصنیف کر کے شائع کی تھی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی جماعت اہل حدیث کے ایک نامور عالم تھے اور سر سیّد احمد خاں کے رسالے "تہذیب الاخلاق" کی طرح کا ایک رسالہ شائع کرتے تھے جس کا نام "اشاعۃ السنّۃ" تھا۔ مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد کی براہین احمدیہ پر اپنے رسالے میں تقریظ لکھ کر شائع کی تھی اور عیسائیت کے رد میں اسے ایک معرکۃ الآرا کتاب قرار دیا تھا۔ اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد عام مسلمانوں جیسے تھے۔ لیکن بعد میں انہوں نے کئی قلابازیاں کھائیں جو مختصراً درج ذیل ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو ان کے رفیق خاص حکیم نورالدین نے (جو بعد میں مرزا صاحب کے جانشین بنے) مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر لیں تو قوم ان کا خیر مقدم کرے گی۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء کو حکیم صاحب کے نام اپنے خط میں تحریر کیا: "جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر کہ ایک مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ دراصل اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی حاجت نہیں ہے[1]

[1] مکتوبات احمدیہ۔ مکتوب محررہ ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء بحوالہ "رہبر منیر" از فیض احمد فیض لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۶۷۔

لیکن اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ ان کے اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی جلد دوم سے ظاہر ہے۔ انہوں نے لکھا: "مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ

مرزا غلام احمد اپنے اس دعویٰ مثیل مسیح پر بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھے اور اپنی تین تصنیفات فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں حیاتِ مسیح کے عقیدے کو غلط بتا کر وفاتِ مسیح کا اعلان کر دیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۹۱ء کا ہے۔ اس دعوے پر مرزا صاحب تقریباً دس سال قائم رہے پھر ختم نبوت کے مسلّمہ اسلامی نظریے کو غلط قرار دے کر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوّت کا اعلان کر دیا[3]

درج بالا صورتِ حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو ۱۸۹۰ء کے آخر تک ظاہری لحاظ سے مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۹۱ء کے آغاز میں انہوں نے دائرہ مسیحیت میں قدم رکھ دیا تو صورت حال بدل گئی اور ان کے عقائد کا زیر بحث آنا لازمی ہو گیا۔ بحث و نظر یہی آغاز تحریک ختم نبوت کا نقطۂ آغاز ہے جس کی تفصیلات (جو اب گم شدہ اوراق کی حیثیت رکھتی ہیں) اس مقالے میں نذرِ قارئین کرنا مقصود ہے۔

ہم اپنی گزارشات کا آغاز مرزا غلام احمد قادیانی کے خطوط کے مجموعے یعنی مکتوبات احمدیہ کی جلد چہارم ... اور

[2] رہبر منیر، ص ۱۶۷ [3] ایضاً، ص ۱۷۱

مولانا محمد حسین بٹالوی کے ماہنامہ اشاعۃ السنۃ کی بارہویں جلد کے بارہویں شمارے سے کرتے ہیں، جن میں مولانا بٹالوی اور مرزا غلام احمد کی خط و کتابت موجود ہے۔ یہ سلسلۂ خط و کتابت کا آغاز مولانا بٹالوی کے خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو لاہور سے رقم فرمایا تھا۔ یہ خط درج ذیل ہے۔

"لاہور۔ ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مرزا غلام احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ دعافاہ

السلام علیکم۔ آپ کا رسالہ فتح الرام امرتسر میں چھپ رہا تھا کہ اتفاقاً امرتسر میں پہنچا۔ میں نے اس رسالہ کا پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھا اور پڑھوا کر سنا۔ اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح موعود جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنی کلام میں اشارۃً اور رسول اللہؐ نے اپنی کلام مبارک میں صراحۃً وعدہ دیا ہے آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کہلاتے ہیں۔۔۔۔۔

اگر اس دعوی سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔

محمد حسین [۴]

مرزا غلام احمد نے اس کا جواب یوں لکھا۔

"مخدومی اخویم، السلام علیکم

آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ہاں کافی سمجھتا ہوں۔

والسلام خاکسار، غلام احمد

۵ فروری ۱۸۹۱ء [۵]

مولانا بٹالوی نے جواباً تحریر فرمایا۔

"مکرمی جناب مرزا صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا کارڈ میں نے وصول پایا۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ آپ کے اس دعوے کا کہ میں مسیح موعود ہوں خلاف مشتہر

---

[۴] اشاعۃ السنۃ، ج ۱۲ شمارہ ۱۲۔ ص ۵-۴ ۳۵

[۵] ایضاً، ص ۳۵۶

کرنا پڑا۔ اس الہام کو آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعاء کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے۔

آپ کا ناصح محمد حسین [۶]

مرزا غلام احمد نے اس کا جواب یوں دیا۔

"اگرچہ آپ سے استعجال کی شکایت ہے مگر آپ کی نیت سے مجھے حسنِ ظن ہے اور آپ کو زمانۂ حال کے اکثر علماء اگر آپ ناراض نہ ہوں تو بعض للّٰہی جدّ و جُہد کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین[۷] سے بھی بہتر سمجھتا ہوں"۔ غلام احمد [۸]

مولانا بٹالوی نے جواباً لکھا کہ میں اس مدح سے سخت ناراض ہوں۔ مولانا شیخ الکل کے معلومات سے میری معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداگر کو۔ اس کے بعد لکھا۔

"دہلی کے خط سے معلوم ہوا کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچے، مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں۔ حکیم صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں۔ وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجیں گے۔ جن کو وہ اپنے مذاق کے موافق نہیں سمجھتے۔ اس امر کی تصدیق چاہیں تو ان سے ان لوگوں کی فہرست طلب کریں جن کے نام انہوں نے رسائل روانہ کئے ہیں [۹]"

یہ خط لاہور سے ۱۴ فروری ۱۸۹۱ء کو لکھا گیا اور اس میں مرزا صاحب سے ان کے عقائد پر بحث اور گفتگو کی پیش کش بھی کی گئی تھی۔ اس لئے اس کے جواب میں طویل سوچ بچار کے بعد مرزا غلام احمد نے ۸ مارچ ۱۸۹۱ء کو خط لکھا۔

---

[۶] ایضاً۔

[۷] سید نذیر حسین محدث دہلوی (ف ۱۹۰۰ء) شاہ محمد اسحاق کے شاگرد اور شمالی ہند کے اکثر علمائے اہل حدیث کے استاد ہیں اور اسی وجہ سے آپ کو شیخ الکل بھی کہتے ہیں (شیخ اکرام۔ موج کوثر، لاہور۔ ص ۶۸)

[۸] اشاعۃ السنۃ، ج ۱۲۔ شمارہ ۱۲۔ ص ۳۵۶

[۹] ایضاً۔ ص ۳۶۷

"مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیئے جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے۔ اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہو سکتا اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رُو سے کافر و ملحد ٹھہرانے والے تو مولوی عبدالرحمٰن لکھوی ہیں اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں۔ جن کے الہامات کے مصدق و پیرو عبدالجبار ہیں۔ سو ان تینوں کا جلسۂ بحث میں آنا ضروری ہے۔"[10]

مرزا غلام احمد کے اس خط کا جواب مولانا بٹالوی نے لاہور سے ۹ مارچ ۱۸۹۱ء کو لکھا یعنی مرزا غلام احمد کا خط ملتے ہی اسی وقت لکھ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالجبار غزنوی اس وقت لاہور میں تھے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد کے اگلے خط سے ظاہر ہوگا۔ مولانا عبدالحق غزنوی اور مولانا عبدالرحمٰن لکھوی سے جو لاہور سے باہر مختلف مقامات پر رہتے تھے، رابطہ پیدا کرنے میں دیر ہو جانے کے اندیشے سے مولانا بٹالوی نے لکھا کہ:۔

"یا تو آپ میرے پاس چلے آئیں یا پھر مجھے لکھیئے، میں آپ کے پاس آجاتا ہوں اور بحث کے لئے اکیلا ہی تیار ہوں۔"

اس کے جواب میں مرزا غلام احمد نے جو خط لکھا وہ اس سلسلے کا آخری خط ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے لئے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے اور کچھ کچھ علامت تو دن رات شامل حال ہے اگر زیادہ گفتگو کروں تو وہی دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دَورہ شامل حال ہے۔ چونکہ آپ کا آخری خط آیا، معلوم ہوتا تھا کہ گویا مولوی عبدالجبار صاحب کی شمولیت سے لکھا گیا ہے۔ اس لیے جواب اس طرز سے لکھا گیا ہے۔ یہ عاجز غلبۂ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے۔ اور طاقت کہاں ہے کہ مباحثہ تقریری یا تحریری شروع کروں۔

محض خدا تعالٰے کے فضل سے یہ تینوں رسائل لکھے گئے[11] اور وہ بھی اس طرح کہ دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر سُن کر لکھتا گیا۔ اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو۔ اتنی فرصت نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کیا جاوے۔ آپ کی معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک امی اور جاہل ہے۔ نہ عبادت ہے نہ ریاضت، نہ علم نہ لیاقت، غرض کچھ بھی چیز نہیں۔ خدا کی طرف سے ایک امر تھا اور قطعی اور یقینی تھا اس عاجز نے پہنچا دیا۔ ماننا نہ ماننا اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے۔

...... غلام احمد[12]

مرزا غلام احمد کا یہ خط مکتوبات احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔ "چونکہ آپ کا آخری خط آیا، معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبدالجبار لکھا گیا ہے۔ اس لئے جواب اس طرح لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبۂ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے۔ یہ طاقت کہاں کہ مباحثہ تقریری یا تحریری شروع کروں ...... اور آپ کے معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک اُمّی اور جاہل آدمی ہے۔ نہ عبادت نہ ریاضت، نہ علم، نہ لیاقت"[13]

اس خط کا جواب مولانا بٹالوی نے ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور سے دیا۔ لیکن اب مرزا غلام احمد دامن چھڑا چکے تھے۔ خود مکتوبات احمدیہ کا مرتب لکھتا ہے "اس کارڈ کے بعد حضرت مسیح موعود نے اس سلسلہ میں خط و کتابت کو بند کر دیا تھا اس لئے مولوی محمد حسین صاحب اصل مطلب کی طرف نہ آتے تھے۔ آپ نے اتمام حجت کے لئے ۱۳ مئی ۱۸۹۱ء کو علمائے[14] لدھیانہ کو مخاطب کیا اور اس میں مولوی محمد حسین صاحب کو مخاطب فرمایا۔ مولوی

---

[10] اشاعۃ السنۃ، ج ۱۳ شمارہ ۱۲، ص ۳۷۰۔

[11] شاید ان سے مراد فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام نامی کتابیں مراد ہیں۔

[12] اشاعۃ السنۃ ج ۱۳، شمارہ ۱۲، ص ۵۔۳۷۳

[13] مکتوبات احمدیہ، ج ۴، ص ۹۔

[14] علمائے لدھیانہ سے مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ، مولانا محمد لدھیانوی اور مولانا عبدالعزیز لدھیانوی مراد ہیں۔

محمد حسین صاحب نے مولوی محمد حسن کو آڑ بنا کر پھر خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا، ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تہہ میں مولوی محمد حسین کا ہاتھ اور قلم تھا۔"[15]

درج بالا خطوط کو غور سے پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اصل مطلب سے مراد یہ ہے کہ گفتگو مابین فریقین ہو، مجلس منعقد ہو۔ کوئی خاص موضوع ہو، تو مولانا بٹالوی نے یہی فرمایا ہے، جب کہ مرزا صاحب اپنی امراض اور جہالت کا واسطہ دے کر ان سے ہٹ گئے ہیں اور یہ تک نہیں لکھا کہ صحت مند ہونے کے بعد دیکھا جائے گا۔ حالانکہ انہی دنوں تین کتابوں کی تصنیف کا ذکر کر دیا ہے۔

علمائے لدھیانہ سے ہونے والی اس خط و کتابت کے بعد مرزا غلام احمد نے ایک اور محاذ منتخب کیا اور دہلی میں جا پہنچے۔ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے وہاں سے ایک اشتہار شائع کیا جس کے مخاطب سید نذیر حسین دہلوی اور ان کے ایک شاگرد مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی تھے۔ اس اشتہار میں مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔ جب اس چیلنج کو مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر کئی علماء نے بھی قبول فرما لیا تو مرزا غلام احمد نے سوچا کہ وہ دہلی میں اس طرح کی اشتہار بازی کر کے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ بیٹھے ہیں۔ اس پر انہوں نے جوابی چیلنج کرنے والوں کے گھروں پر جا کر انہیں میدان سے ہٹ جانے کی ترغیب دینا شروع کی۔ مثلاً آپ مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی کے گھر گئے اور کہا کہ آپ کا نام تو غلطی سے اشتہار میں آ گیا ہے۔ میں آپ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مقابلہ تو سید نذیر حسین سے ہے۔ مولانا حقانی نے فرمایا کہ اگر آپ بذریعہ اشتہار مجھ سے مباحثہ سے دست بردار ہو جائیں تو میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ اس پر مرزا غلام احمد نے ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو یہ اشتہار شائع کیا۔

"اشتہار بمقابلہ مولوی سید نذیر حسین صاحب سرگروہ اہلحدیث

چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب نے جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں، اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفات مسیح ابن مریم ملحد قرار دیا ہے اور عوام کو شک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ آپ ہی اعتقاد حیات مسیح میں قرآن کریم اور احادیث بوجگہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اول اہلحدیث کا دعویٰ کر کے اپنے بھائیوں حنفیوں کو بدعتی قرار دیا۔ اور امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ پر یہ الزام لگایا کہ ان کو حدیثیں نہیں ملی تھیں اور وہ اکثر احادیث نبویہ سے بے خبری رہے تھے اور اب باوجود دعویٰ اتباع قرآن و حدیث کے حضرت مسیح ابن مریم کی حیات کے قائل ہیں۔ وھذا عجب العجائب۔ اگر عوام میں کوئی ایسا کیا اور خلاف قال اللہ وقال الرسول دعویٰ کرتا تو کچھ افسوس کی جگہ نہ تھی۔ لیکن یہی لوگ جو دن رات درس قرآن و حدیث جاری رکھتے ہیں، اگر ایسا بے اصل دعویٰ کریں تو ان کی علمیت اور قرآن دانی اور حدیث دانی پر سخت افسوس آتا ہے۔ یہ بات کسی متنفس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ باواز بلند پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ فی الواقع حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو عاقبت کا اندیشہ نہیں، خدا تعالیٰ کا کچھ خوف نہیں وہ تعصب کو مضبوط پکڑ کر قرآن اور حدیث کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے کیسے قرآن اور حدیث

---

[15] مکتوبات احمدیہ، ج ۴ بر حاشیہ ص ۹۔ یہ خطوط بھی مکتوبات احمدیہ کی چوتھی جلد میں موجود ہیں جو صرف مولانا محمد حسین بٹالوی کی جانب لکھے جانے والے خطوط پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی خط میں جو ۲۲ صفحات میں ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں "اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص ملحد، دین سے خارج اور کذاب اور دجال ہے۔"

کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس عاجز نے اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء
میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب کا نام درج کیا تھا۔
مگر عند الملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی
صاحب موصوف ایک گوشہ گزین آدمی ہیں اور ایسے جلسوں سے
جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہے طبعاً نکارہ ہیں۔
اور اپنے کام تفسیر قرآن میں مشغول اور شرائط اشتہار کے
پورے کرنے میں مجبور ہیں کیونکہ گوشہ نشین ہیں۔ حکام سے
میل ملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صورت کے
ایسی ملاقاتوں سے کراہیت بھی رکھتے ہیں لیکن مولوی نذیر حسین
اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جو اب دہلی میں موجود ہیں۔
ان کاموں میں اوّل درجہ کا جوش رکھتے ہیں ... لہٰذا
اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت
مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ اور قرآن کریم و
احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ
بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث
کر لیں۔ اور اگر انہوں نے بقبولِ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث
کے لئے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچ اور بے اصل بہانوں سے
ٹال دیا تو سمجھا جائے گا کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات
کو قبول کر لیا ہے۔" ..... الیٰ آخرہ

المشتہر مرزا غلام احمد از دہلی بلی ماراں کوٹھی نواب لوہارو
۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء [1]

اس اشتہار میں مرزا غلام احمد نے خاص انداز سے
احناف اور اہل حدیث علماء کو باہم لڑانے کی کوشش کی ہے
تاکہ وہ مشترکہ حریف کو فراموش کر دیں۔ پھر بحث کا موضوع
حیات و وفات مسیح رکھا ہے۔ اس موضوع کا مرزا غلام احمد
کی مسیحیت سے کیا تعلق ہے۔ اگر مسیح ابن مریم فوت ہو چکے
ہیں تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہی مسیح موعود
ہیں کیونکہ یہ ایک الگ موضوع ہے اور مناظرہ ہونا بھی اسی موضوع پر چاہیئے۔
لیکن مرزا غلام احمد نے خود ہی مناظرے کا عنوان طے کیا اور خود ہی اپنے سابقہ
اشتہار ۲ اکتوبر میں شرائط بھی طے فرما دیں اور پھر چیلنج کیا کہ آؤ میرے تجویز کردہ موضوع
پر میری شرائط کے مطابق مناظرہ کرو۔ کیا مناظرے کے یہی قواعد ہوتے ہیں اگر
مرزا صاحب مناظرہ کرنے میں سنجیدہ تھے تو موضوع اور شرائط کا انتخاب فریقین کے
مشورے سے ہونا چاہیئے تھا۔ تاہم ۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین
بٹالوی نے جوابی اشتہار شائع کیا جو یوں ہے۔

"ہمیں آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔ چونکہ آپ نے
مجھے اور میاں صاحب (نذیر حسین) کو مقابل ٹھہرایا ہے اور ظاہر
کہ مباحثہ کے دوران ایک وقت میں ایک ہی آدمی بول سکتا ہے
اگر آپ خاکسار کو خارش کر دیں تو میاں صاحب بھی میدان
میں آجائیں گے۔ ورنہ انہیں کیا ضرورت ہے میدان میں آنے کی
کیونکہ شاگردوں کے ہوتے ہوئے ایک شیخ الکل اور امام وقت
کو یہ زیبا نہیں کہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب بنائے۔ آپ
۱۱ اکتوبر ۹ بجے دن چاندنی محل میں تشریف لے آئیں۔"

دوسری طرف مولانا عبدالحق نے بھی مرزا صاحب کی
کذب بیانی کا پردہ چاک کیا۔ کیونکہ ان کے پاس جا کر مرزا صاحب
نے کہا تھا کہ میں صرف غیر مقلدین سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں
اس لئے آپ میدان سے ہٹ جائیں لیکن اشتہار میں مولانا
عبدالحق کے میدان میں ہٹنے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ گوشہ نشین آدمی
ہیں وغیرہ۔ مولانا عبدالحق نے جو اگرچہ مقلد تھے لیکن سید
نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ مرزا غلام احمد کو لکھ دیا کہ میں بھی چاندنی
محل ہی میں مولانا بٹالوی والے وقت آجاؤں گا اور دونوں کی
گفتگو ہوگی۔

۱۱ اکتوبر ۹ بجے دن چاندنی محل میں مناظرے کے انتظامات
کر دیئے گئے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا عبدالحق بے شمار
دیگر علماء و فضلاء کی معیت میں وہاں پہنچے، لیکن مرزا غلام احمد
نہ آئے۔ بعد میں کہا کہ میں تو صرف سید نذیر حسین سے بات کرنا
اس پر اسی روز میاں صاحب نے فرمایا کہ چلو میں خود ہی آجاتا

[1] منقول از تبلیغ رسالت۔ مجموعہ اشتہارات جلد ۲

اور اسی روز چاندنی محل میں دوسرے جلسے کا انتظام ہوا۔ میاں صاحب تشریف لے آئے لیکن مرزا غلام احمد پھر بھی نہیں آئے۔ مناظرے میں آنے کی بجائے انہوں نے ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک نیا اشتہار جاری کر دیا۔ جس کی عبارت کچھ یوں ہے۔

"میاں صاحب درس قرآن و حدیث میں ریش و بروت یاہ کر بیٹھے ہیں، مگر آپ کو کسی اُستاد نے حقیقت تک نہیں نچایا۔ آپ کو شرم ہونی چاہیئے کہ شیخ الکل کا دعویٰ اور مسیح قرآن و حدیث کی رُو سے زندہ سمجھتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ پ کس بات کے شیخ الکل ہیں۔ اگر بحث نہیں چاہیئے تو ایک لس میں میرے دلائل وفات مسیح سن کر تین مرتبہ قسم اٹھائیں یہ درست نہیں،، ۴۷

مرزا غلام احمد عجیب مزاج کے انسان تھے۔ میدانِ مناظرہ آتے بھی نہیں تھے اور ساتھ ساتھ کہتے بھی جلتے تھے کہ یِ مخالف میدان کا رُخ نہیں کر رہا۔ حالانکہ مسلمانوں کی طرف مولوی محمد حسین بٹالوی آئے۔ مولانا عبدالحق آئے۔ میاں حسین آئے۔ نہیں آئے تو مرزا صاحب خود نہیں آئے۔ الزام پھر بھی دوسروں کو دیا جا رہا ہے۔

مرزا غلام احمد کے اس تازہ اشتہار کے بعد باہمی فیصلہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء بعد از نماز عصر جامع مسجد دہلی میں مجلس قد ہو گی جس میں مرزا غلام احمد وفات مسیح پر اپنے دلائل ے گے اور میاں صاحب انہیں سُن کر حلفاً ان کی تردید کریں گے۔

۲۰ اکتوبر کو میاں صاحب جامع مسجد پہنچے۔ مرزا غلام احمد اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ آئے۔ دونوں فریق مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ انگریز پولیس افسر بھی وہاں موجود میاں صاحب کے کہنے پر نواب سعیدالدین۔ مولوی عبدالمجید بد بشیر حسین انسپکٹر پولیس مرزا غلام احمد کے پاس گئے اور کہ اگر آپ کے دلائل سن کر میاں صاحب نے ان کے غلط نے کا حلف اٹھا لیا تو آپ اپنے عقائد سے کب توبہ کریں ، مرزا غلام احمد خاموش رہے۔ تاہم ان کے ایک حواری

نے ان کی طرف سے جواب دیا کہ ایک سال بعد تائب ہو جائیں گے۔ انگریز پولیس افسر ہنس کر کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہوئی جو کچھ ہوا ابھی ہو ورنہ اس مجلس کے انعقاد کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد نہ مانے اور کہا کہ ہم حیات و وفات مسیح پر بحث کرنا چاہتے ہیں گویا جس کام کے لئے میاں صاحب کو بلایا گیا تھا وہ باقی نہ رہا تو بحث کے لئے نواب سید سلطان مرزا نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو پیش کر دیا۔ مرزا غلام احمد نے مولانا بٹالوی کو دیکھ کر بحث سے بھی انکار کر دیا۔ اس پر انگریز پولیس افسر نے جلسہ برخواست ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ روئداد مرزا محمود (جو احمدیوں کے خلیفہ دوم ہیں) کی زبانی سُنیئے۔ فرماتے ہیں۔ "سب سے پہلے آپ لدھیانہ گئے۔ اور یہاں اردگرد سے علماء نے اکٹھے ہو کر لوگوں کو خوب اکسایا، مگر ڈپٹی کمشنر نے ان کے سردار (مولانا بٹالوی) کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا.... پھر آپ دہلی گئے جو اس وقت دارالخلافہ ہے اور وہاں ہندوستان کے مولوں کا جو سردار تھا اُسے آپ نے بالمقابل ٹھہرایا کہ وہ قسم کھا کر یہ اعلان کر دے کہ کیا فی الواقع حضرت عیسیٰ اب تک زندہ موجود ہیں اور اس کے لئے جامع مسجد دہلی مقرر کی گئی۔ وقت مقررہ پر ہزار ہا لوگ آ گئے اور بہت سے اپنی جھولیوں میں پتھر لائے اور بعض سونٹے لائے اور بعض چھریاں اپنے ہاتھ میں لائے۔ اور لوگوں نے شور مچایا کہ مسیحیت کا مدعی زندہ نہ جائے۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت مسیح کی طرح آپ کے ساتھ بھی صرف بارہ مرید تھے مگر ان لوگوں نے قابلِ رشک نمونہ دکھایا اور ہر شخص یہ خواہش کرتا تھا کہ کاش آج ہم خدا اور رسول کی راہ میں مارے جائیں، اور جب لوگوں نے بجائے مولوی کو قسم کھانے پر مجبور کرنے کے بلوہ کر کے آپ کو قتل کرنا چاہا۔ تو ان بارہ مریدوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا لیا۔ اور وہ خدا کے شیر دل سپاہی ان لوگوں سے جن کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی خائف نہ ہوئے اور نہ ان کے ہتھیاروں سے ڈرے مگر سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک سو سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے لوگوں میں سے راستہ بنایا اور

۴۷ تبلیغ رسالت ۔ مجموعہ اشتہارات ج ۲ ۔ ص ۸ ۔ ۳۷

سپاہیوں کے حلقہ میں آپ کو باہر نکال دیا اور نہایت مشکل سے آپ کو گاڑی پر بٹھا کر گھر پہنچایا"؎

مرزا صاحب گھر تو پہنچ گئے لیکن چونکہ ابھی دہلی میں ہی تھے اور دیگر علماء بھی وہاں موجود تھے اس لئے معاملہ ختم نہ ہوا، چیلنج بازی ہوتی رہی جس کے نتیجے میں مرزا غلام احمد نے واضح طور پر کہہ دیا کہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے اہل دہلی نے سید نذیر حسین کے ایک اور شاگرد مولانا محمد بشیر سہسوانی کو بھوپال سے بلا بھیجا، وہ فوراً چلے آئے اور مرزا غلام احمد سے انہی کی شرائط پر تحریری مناظرے کا آغاز کر دیا۔ ابھی بحث کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی تاہم یہ محسوس کر کے کہ مولانا محمد بشیر کا پلہ بھاری ہوتا جا رہا ہے مرزا غلام احمد اپنے خسر کی بیماری کا بہانہ کر کے قادیان واپس چلے آئے اور پھر عمر بھر دہلی نہ گئے۔

اور جو کچھ بیان ہوا ہے یہ تحریک ختم نبوت کے ضمن میں ۱۸۹۱ء کے دوران ہونے والے واقعات ہیں اب ہم ۱۸۹۲ء میں داخل ہوتے ہیں۔ (باقی)

؎ مرزا بشیر الدین محمود، تحفہ شاہزادہ ویلز، ص ۵۷

بقیہ • درس حدیث

سلام ان کو پہنچاؤں، تاکہ مجھے آں حضرتؐ کا وکیل ہونے کا شرف حاصل ہو۔ اور یہ وہ آرزو ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ محمد یحییٰ اللہ آبادی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی ہے۔ ان حضرات کے ساتھ نسبت پیدا کرنا، چاہے ایک تمنا کی شرکت کے ساتھ ہی ہو، بڑی نعمت ہے، خدا جس کو نصیب کرے۔ اللّٰھم آمین ثم آمین۔ اور امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے احوال نیز ان فتنوں اور حادثوں کے حالات جو امام مہدیؑ کے خروج سے قبل عالم اسباب میں واقع ہوئے اور ہوں گے۔ اور بدء و غایت دنیا اور عمر دنیا کی تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "حج الکرامہ فی آثار القیامۃ" میں پوری وضاحت سے لکھی ہیں، جس کا جی چاہے وہ وہاں دیکھ لے۔ (باقی)

بقیہ - چند سوال اور ان کے جواب

اس کی وجہ کی طرف آپ نے دوسرے مقام پر اشارہ کیا ہے کہ ان ٹکڑوں کی حیثیت ضمنی سی ہوتی ہے جس مقصد کے لئے وہ پوری حدیث لائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے من حیث المجموع وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ واما الخطأ فلا یعصم من الاقرار علیہ الا النبی لکن اھل الحدیث یعلمون ان مثل الزھری والثوری ومالک بنحوھم من اقل الناس غلطا فی اشیاء خفیفۃ لا تقدح فی مقصود الحدیث ویعرفون رجالا دون ھؤلاء یغلطون احیانا والغالب علیھم الحفظ والضبط ولھم دلائل یستدلون بھا علی غلط الغالط انتھی لہ اس تفصیل سے وہ سب غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو نا واقفوں کو ایسے مزلۃ الاقدام مواقع پر ہو گئی ہیں۔ و للتفصیل موضع آخر۔

ملحوظہ۔ واضح رہے متن سے مراد روایت کا وہ حصہ ہے جس پر سند ختم ہوتی ہے۔ کما قال ابن جماعۃ ھو غایۃ ما ینتھی الیہ غایۃ السند من الکلام ٢ه (ا)

لہ منہاج ص ۱۱۲ ج ۲ ٢ه قواعد التحدیث ص ۱۸۷

وی پی آرہا ہے

جن خریداران "الاعتصام" کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ اور انہوں نے اپنا سالانہ زر تعاون بھی ارسال نہیں کیا ہے، ان کے نام پرچہ وی پی ارسال کیا جا رہا ہے، وصول فرما کر ادارے کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

(ناظم دفتر "الاعتصام" لاہور)

الاعتصام میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

اطلاعات و اعلانات

ضرورت ہے

۱۔ مدرسہ رحمانیہ کوٹ بھائی خان میں مقامی طلباء کی ابتدائی تعلیم و تربیت، امامت اور خطابت کے لئے محنتی، نیک سیرت اور تبلیغی جذبہ سے سرشار حافظ و خطیب کی ضرورت ہے۔ خوراک و رہائش کے علاوہ تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی۔ (حکیم احمد دین صدر انجمن جامع مسجد اہل حدیث و مدرسہ رحمانیہ رجسٹرڈ کوٹ بھائی خان براستہ بھادریاں ضلع سرگودھا)

۲۔ ایک خادم مسجد کی ضرورت ہے۔ کوائف اور شرائط سے درج ذیل پتہ پر آگاہ کریں۔ (پروفیسر مزمل احسن شیخ مسجد مبارک اہل حدیث رستم پارک نواں کوٹ نزد موڑ سمن آباد لاہور ۔ ۲۵)

۳۔ اگر کسی اہل حدیث مسجد میں صرف خطبہ جمعہ کے لئے بلامعاوضہ خطیب کی ضرورت ہو تو پتہ ذیل پر رابطہ پیدا کریں۔ (شیخ عبدالستار سیمنٹ ڈیلر چوک پونڈانوالہ پسرور روڈ ۔ گوجرانوالہ)

تبلیغی لٹریچر

۱۔ تبلیغی مشن کے تحت مندرجہ ذیل دس کتب کا سیٹ مبلغ تیس ۳۰ روپے بذریعہ منی آرڈر (بطور اشاعت فنڈ و خرچ ڈاک) بھیج کر حاصل کریں۔ کلیات عارف باللہ ۰ گلشن عارف باللہ ۰ گلدستہ عارف باللہ (سید میر شاہ مرحوم) توحید و شرک ۰ صلوٰۃ التسبیح ۰ صلوٰۃ الرسل ۰ پیارے رسول کی پیاری نماز مع پیاری دعائیں ۰ میزان القرآن ۰ صداقت اہل حدیث ۰ قصہ جات (مولانا محمد ابراہیم خادمؒ) (صوفی احمد الدین حنیف مہتمم مدرسہ دار الحدیث قدسیہ توحید گنج منڈی بہاؤالدین ۔ گجرات)

۲۔ کتابچہ حقیقت استغفار دو روپے کے ٹکٹ ارسال کر کے مفت حاصل کریں (ادارہ علوم اسلامی۔ سمن آباد، جھنگ، صدر)

۳۔ بندہ عاجز کو مطالعہ کا شوق ہے۔ اس لئے اگر کسی دوست کے پاس کوئی پرانا رسالہ، پمفلٹ، کتاب وغیرہ ہو تو ازراہ نوازش مجھے بھیج کر ممنون فرمائیں (میاں علی محمد بمقام سرسر ہٹھاڑ تحصیل چونیاں ڈاکخانہ شاہ کوٹ ضلع قصور)

تذکرہ علمائے بھوجیاں

تقریباً ساڑھے تین صد صفحات پر مشتمل کتاب "تذکرہ علمائے بھوجیاں"، عمدہ کاغذ، معیاری طباعت اور خوبصورت جلد سے آراستہ عنقریب شائع ہو رہی ہے، جو بھوجیانی علمائے کرام کے شاگردوں، عقیدتمندوں اور متعلقین کے لئے ایک نایاب تحفہ ہوگی۔ محدود تعداد میں شائع ہو رہی ہے۔ خواہش مند حضرات مطلوبہ تعداد سے مطلع فرمائیں۔ قیمت مناسب ہوگی (عبدالعظیم انصاری کوٹ اعظم خاں قصور)

وفیات

۱۔ چوہدری محمد اسماعیل، جو جماعت اہلحدیث گوالمنڈی لاہور کے خاموش اور بے لوث رکن تھے۔ گزشتہ ہفتے انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نہایت نیک، پارسا بزرگ تھے اور امرتسر کی ارائیں برادری کے معزز رکن تھے۔

۲۔ جماعت اہلحدیث گوالمنڈی لاہور ہی کے ایک اور معزز رکن حاجی ضیاء الدین بھی گزشتہ ہفتے انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حاجی صاحب مرحوم شبان اہلحدیث کے مخلص سرپرست تھے اور تبلیغی اور تنظیمی امور میں خاصے سرگرم اور موثر کارکن تھے۔

۳۔ محترم طالب ہاشمی صاحب متعدد دینی اور تاریخی کتابوں کے مصنف اور مرتب اور دینی اور علمی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ گزشتہ دنوں ان کا ساڑھے تین سالہ نواسا

قضائے الٰہی سے وفات پاگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
ہاشمی صاحب اور ان کے خاندان کے لئے یہ سانحہ نہایت اندوہناک ہے۔ بقول ان کے یہ بچہ نہایت خوبصورت، ہونہار اور گھر بھر کی خوشیوں کا مرکز تھا۔

ادارہ الاعتصام چوہدری محمد اسماعیل صاحب اور حاجی ضیاء الدین صاحب کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ نیز جناب طالب ہاشمی صاحب کے صدمے پر اپنی دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کے حضور دعاگو ہے کہ مرحوم بچے کو والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اطلاع ماہانہ اجلاس

جمعیت اہل حدیث ضلع مظفر گڑھ کا ماہانہ اجلاس ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء بوقت دس بجے صبح جامعہ محمدیہ کوٹ ادو میں ہونا قرار پایا ہے۔ جن احباب کو اطلاعی چٹھی نہ ملی ہو وہ اس اعلان کو اطلاع نامہ تصور کرتے ہوئے وقت مقررہ پر تشریف لائیں۔
(قاری محمد نواز مہتمم جامعہ محمدیہ کوٹ ادو)

جامعہ دار السلام محمدیہ فاروق آباد ضلع شیخوپورہ

ارکین جمعیۃ شبان اہل حدیث جامعہ دار السلام محمدیہ اور دس دیگر اداروں کا انتظام "اپنی مدد آپ" کے تحت چلا رہے ہیں۔ جامعہ ہذا میں اس وقت ۲۰۰ مقامی و بیرونی طلباء ۸ اساتذہ کرام سے تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ اساتذہ کے جملہ اخراجات و طلبہ کے قیام و طعام، علاج و معالجہ کتب، خادم، باورچی و دیگر ہر قسم کی سہولتیں بذمہ جمعیۃ ہذا ہے۔ لہٰذا احباب جماعت سے خصوصاً و دیگر احباب سے عموماً التماس ہے کہ مونجی کی کٹائی کے موقعہ پر جامعہ ہذا سے بھرپور تعاون کریں۔ (ناظم نشر و اشاعت جمعیۃ شبان اہل حدیث محلہ دار السلام فاروق آباد ضلع شیخوپورہ)

......

دار الحدیث محمدیہ ملتان کا انتخاب

صدر، محمد مختار جاوید (ایم۔اے) نائب صدر، حافظ محمد احمد سیکرٹری۔ محمد اشرف حنیف۔ جائنٹ سیکرٹری، محمد اسلم شاہد کیشیئر۔ محمد اسحاق غضنفر (ایف ایس سی) (محمد اشرف حنیف سیکرٹری مدرسہ دار الحدیث محمدیہ ملتان)

ایک عیسائی کا قبول اسلام

عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر ۱۰ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ (۷ ستمبر ۱۹۸۴ء) بروز جمعۃ المبارک رحمت مسیح ولد حسین مسیح سکنہ ویرم جگیاں نے مقامی خطیب مولانا محی الدین صاحب حسینوی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کا نام رحمت اللہ رکھا گیا۔ قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائے۔ (محمد علی اسد صدر اہل حدیث یوتھ فورس حسین خانوالہ چک ۶ نزد پتوکی ضلع قصور)

اعلانِ لاتعلقی

۲۱ ستمبر کے "ہفت روزہ "اہل حدیث" میں میرے نام سے ایک خط شائع ہوا ہے۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ہفت روزہ اہل حدیث، کسی اشاعتی ادارے یا کسی شخصیت کو وہ خط نہیں بھیجا۔ اس کی اشاعت سے مولانا حکیم صاحب اکسیر اور صاحب کی دلآزاری پر بندہ معذرت خواہ بھی ہے اور [illegible] سے لاتعلقی کا بھی اعلان کرتا ہے۔ (محمد ایوب فیروز پوری)

منتقی الاخبار (مترجم) فقہ الحدیث کی اہم کتاب
دار الدعوۃ السلفیہ لاہور کی عظیم علمی پیشکش
بڑے سائز کے تقریباً دو ہزار صفحات۔ دو جلدوں میں مجلد
قیمت دو سو روپے
ملنے کا پتہ: نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ۔ اردو بازار • لاہور

بقیہ • انفاق فی سبیل اللہ

فرمایا کہ والدہ صاحبہ! اِذَا اَکَلْتُہٗ کَانَ فِی الْحُشِّ وَاِذَا اَکَلَ ھٰؤُلَاءِ الْاَیْتَامُ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ مَذْخُوْرًا۔ یعنی "اگر میں کھالیتا تو سب پاخانہ ہو جاتا جب ان یتیموں نے کھالیا تو خدا کے یہاں ذخیرہ ہو کر رہے گا" ایک دن حریرہ بنایا کہ یہ سب لذیذ و قیمتی ہے۔ نرم و ملائم بھی تو مجذوم لوگوں کو یاد کر کے انکے پاس بھیج دیا۔ آخر نے کہا کہ ان کی تو زبان تک کٹ چکی ہے ان کو کیا مزہ آئے گا؟ تو حضرت داؤد نے کہا "ولکن اللہ یدری" میرے خدا کو تو معلوم ہے وہ صاحب انفاق کے اس عمل کی قدر کرے گا (تاریخ خطیب)

کیا انفاق و فیاضی کا یہ جذبہ آج کے دور کے امراء میں بھی موجود ہے؟ کیا محروم سائلین و تیم سے قدر دانی و دلجوئی ہم بھی اسلاف کی طرح کرتے ہیں۔ خدا ہم سب کو توفیق دے (آمین)

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور کے ۵ شعبے

- ہفت روزہ "الاعتصام"
- مدرسہ مصباح القرآن (شعبۂ حفظ)
- مسجد اہل حدیث
- سلفیہ لائبریری
- شعبۂ تصنیف و تالیف

آپ کی خصوصی توجہ اور تعاون کے مستحق ہیں

(شعبۂ نشر و اشاعت)

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صوفی سوپ

گذشتہ اٹھائیس ۲۸ سال سے آزمایا ہوا

صوفی سوپ ہر قسم کے کپڑوں کی دھلائی کے لئے تمام صابنوں اور پوڈروں سے بہتر ہے۔

تار: صوفی سوپ فون: ۶۴۵۲۲ ۵۴۵۲۳

صوفی سوپ فیکٹری رجسٹرڈ ۳۹ فلیمنگ روڈ لاہور
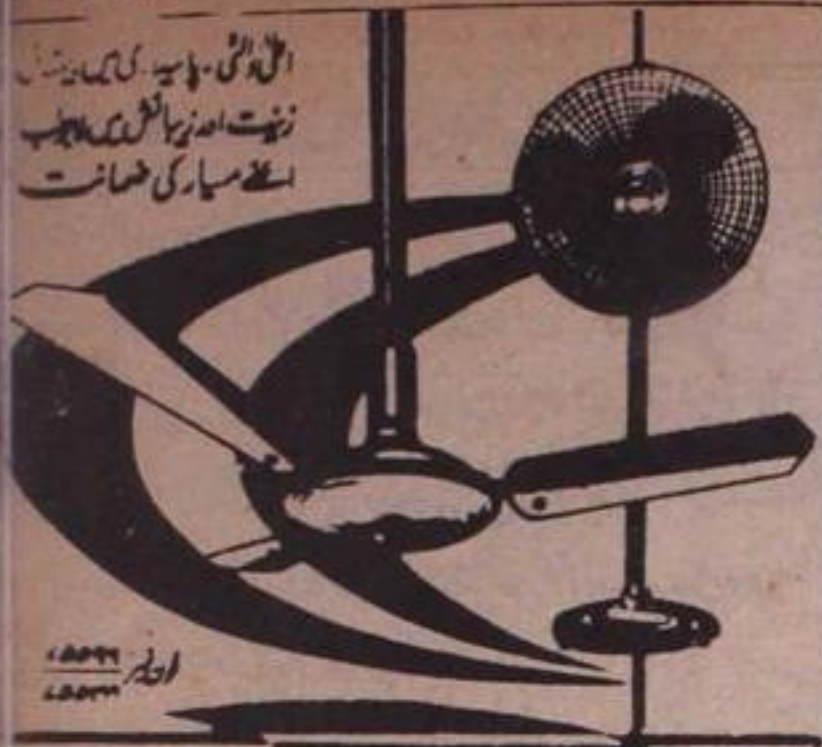
PHONE
54406
WEEKLY AL-AITISAM LAHORE
RL No
5523
ملکی صنعت کو فروغ دے کر زرِ مبادلہ بچایئے
آپ کی سہولت کے لیے کپڑے دھونے اور نہانے کے صابن
ہر وقت دستیاب ہیں
کستوری (مسک) ٹائیلٹ سوپ
پائیلٹ ٹائیلٹ سوپ
ڈاکٹرز کاربالک سوپ
پپیہا ٹائیلٹ سوپ
تیار کردہ
پنجاب سوپ فیکٹری، سرکلر روڈ بیرون شیرانوالہ گیٹ لاہور
فون فیکٹری ۲۰۰۶۶۲ — ۲۰۰۶۶۱
CITIZEN
سٹیزن پنکھے
اور موٹریں
تیار کردہ سٹیزن الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
یونین فین
فرحت اور تسکین کے لیے
زیادہ ٹھنڈی ہوا کے لیے
مضبوطی اور پائیداری کے لیے
تیار کردہ
ثناء اللہ الیکٹریکل انڈسٹریز حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ
اعلیٰ کوالٹی اور پائیداری میں بے مثال
بیکو پنکھے رجسٹرڈ
سیلنگ ○ پیڈسٹل ○ ٹیبل کم پیڈسٹل ○ ایگزاسٹ فین
خوبصورت پائیدار اور کم خرچ بے آواز
دستیاب ہیں
تیار کردہ: بیکو انجینئرنگ کمپنی مین روڈ گھر جاکھ گوجرانوالہ
طابع: چوہدری عبدالباقی نسیم ● مطبع: ادمنی پرنٹرز، لاہور ● ناشر: محمد عطاء اللہ حنیف ● مقام اشاعت: شیش محل روڈ، لاہور